وحدتِ خلافت

یہ بات مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ایک ہی ملک میں رہیں اور ان کا ایک ہی خلیفہ ہو نہ کہ ایک سے زیادہ اور یہ شرعاً حرام ہے کہ مسلمانوں کے ایک سے زیادہ ملک ہوں یا ان پر ایک سے زیادہ خلیفہ ہوں۔

اسی طرح مسلمانوں پر یہ بھی فرض ہے کہ ان کی ریاستِ خلافت میں حکومت کا نظام وحدت پر مبنی ہو نہ کہ وفاقی (Federal)' کیونکہ مسلم نے عبد بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو کوئی ایک امام کے ہاتھ پر صدقِ دل سے بیعت دے دے' پس اسے چاہیے کہ وہ حسبِ استطاعت اسکی اطاعت کرے اور اگر کوئی دوسرا آ کر خلیفہ سے تنازعہ کرے تو اس کی گردن اڑا دو''۔

اس کے علاوہ مسلم نے عرفجہ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب تمہارے معاملات ایک شخص پر مجتمع ہوں' اور کوئی شخص تمہارے پاس آ کر تمہاری وحدت کو توڑنے یا تمہاری جماعت میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرے تو اسے قتل کر دو''۔

نیز مسلم نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر دو خلفاء کی بیعت ہو جائے تو دوسرے کو قتل کر دو''۔

اسی طرح مسلم نے ابوحازم کی روایت نقل کی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں پانچ سال ابو ہریرہؓ کے ساتھ رہا اور میں نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''بنی اسرائیل کی سیاست (امور کی دیکھ بھال) انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہی ہے' بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے''۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ آپ ﷺ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کو پورا کرو اور ان کا حق انہیں ادا کرو۔ جب کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعیت کے بارے میں پوچھے گا جو اس نے انہیں دی''۔

لہٰذا پہلی حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جب کسی کی امامت یا خلافت طے ہو جائے تو اس کی اطاعت فرض ہو جاتی ہے اور ایسے میں اگر کوئی دوسرا شخص آ کر اس کی خلافت کے متعلق تنازعہ کرے اور اپنے اس تنازعہ سے رجوع نہ کرے تو اس سے لڑنا اور اسے قتل کر دینا واجب ہو جاتا ہے۔

دوسری حدیث یہ بیان کرتی ہے کہ جب مسلمان ایک خلیفہ کی امارت تلے ایک جماعت کی شکل میں اکٹھے ہو چکے ہوں اور کوئی شخص آ کر اس وحدت میں رخنہ اور جماعت میں پھوٹ ڈالے تو اس کا قتل کر دیا جانا فرض ہو جاتا ہے۔ ان دونوں احادیث میں یہ مفہوم موجود ہے کہ مسلمانوں کی ریاست کے حصے بخرے کرنا منع ہے اور یہ تاکید کی گئی ہے کہ اس وحدت و ریاست کی تقسیم کی معافی نہیں ہے' یہ بات ممنوع ہے چاہے اس تقسیم کو تلوار کے زور سے ہی کیوں نہ روکنا پڑے۔

تیسری اس حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ریاست میں خلیفہ کے موت کے سبب' اسے معزول کئے جانے کی وجہ سے یا پھر خود اس کے ہٹ جانے کے باعث' اگر دو اشخاص پر بیعت ہو جاتی ہے تو اس دوسرے شخص کو قتل کر دیا جائے یعنی خلیفہ وہ ہوگا جسے پہلے صحیح بیعت دے دی گئی ہو اور دوسرے شخص کو' اگر وہ خلافت کے دعوے سے دستبردار نہیں ہوتا' قتل کر دیا جائے۔ لہٰذا یہ اور بھی اولیٰ ہوا کہ اگر دو سے زیادہ پر بیعت ہو جائے تو پہلے شخص کے

ماسوادیگر تمام کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائے۔ یہ ریاست کے ایک سے زیادہ ہونے کی ممانعت کیلئے کنایہ ہے۔یعنی یہ حرام ہے کہ مسلمانوں کی ریاست کو تقسیم کر کے کئی ریاستیں بنادی جائیں بلکہ یہ لازمی ہے کہ مسلمانوں کی ریاست ایک ہی رہے۔

چوتھی حدیث اس بات کیلئے ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کثیر تعداد میں خلفاء ہوں گے اور صحابہ کرامؓ نے جب دریافت کیا کہ جب بہت سے خلفاء ہوں گے تو ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو سب سے پہلے بیعت دی گئی ہو اس سے اپنی بیعت کا ایفاء کرو۔ کیونکہ وہی شرعی خلیفہ ہے اور اطاعت صرف اس ہی کی کی جاسکتی ہے نہ کہ باقیوں کی' جن کی بیعت باطل ہے اور غیر شرعی ہوگی۔اس لیے کہ مسلمانوں کے ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے کو بیعت دینا جائز ہی نہیں ہے۔ یہ حدیث بھی ایک ہی خلیفہ کی اطاعت کی فرضیت کیلئے دلیل ہے' اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مسلمانوں کیلئے یہ جائز نہیں کہ ان کے ایک سے زیادہ خلیفہ ہوں یا مسلمانوں کی ایک سے زیادہ ریاستیں ہوں۔

خلفاءِ راشدین کا طرزِ حکمرانی

.....مولانا زاہد الراشدی

محسن الملک نواب مہدی علی خان مرحوم ان زعمائے ملت میں سے ہیں جنہوں نے 1857ء کی جنگِ آزادی میں ناکامی کے بعد ملتِ اسلامیہ کو سہارا دیا اور علم و فکر کے میدان میں ان کی راہنمائی کی۔ وہ سرسید احمد خان مرحوم کے رفقاء میں سے تھے۔ زیرِ نظر مضمون میں انہوں نے خلفائے راشدینؓ کے طرزِ حکومت پر عمدہ بحث کی ہے۔ یہ مضمون ہم نے فیروز سنز کی مطبوعہ کتاب ''جواہر پارے'' (مرتبہ مقبول انور داؤدی مرحوم) سے اخذ کیا ہے۔

اسلام کی ہماری ذات سے دو قسم کا تعلق ہے۔ ایک متعلق عقائد کے' جس کو حکماً حکمتِ بالغہ یا کمال علمی کہتے ہیں۔ دوسرا متعلق اعمال کے' جسے عقلاً قدرت فاضلہ اور کمال عملی سے تعبیر کرتے ہیں۔ پہلے امر کو' جو درحقیقت اصول ہے' کتاب وسنت نے ایسا صاف کر دیا ہے کہ اب کسی دوسرے سے پوچھنے بتلانے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ مراتب توحید اور نبوت اور معاد کی کامل تشریح کر دی ہے۔ دوسرے امر کو' جو درحقیقت فروع ہے' اس کے اصول بھی تصریح کے ساتھ بیان کر دیے ہیں۔اس لیے ہمیں اپنی دونوں باتوں کو کتاب وسنت سے ملانا چاہیے۔ تب معلوم ہوگا کہ کتنی باتیں ہم میں اسلام کی ہیں اور کتنی اس سے خارج' اور کون کون سا عمل ہمارا موافق اس کے ہے اور کون سا مخالف۔

ہمارے حالات دنیوی بھی مذہب کے تعلق سے آزاد نہیں ہیں بلکہ ہر معاملہ میں خواہ وہ سیاست مدن سے متعلق ہو خواہ اس کو حکمت منزل سے علاقہ ہو' ہم کو شریعت کی پابندی لازم ہے۔ ہمارا تمدن اور معاشرت اور برتاؤ آزادانہ یعنی بلا قید شریعت نہیں ہوسکتا۔ جو برتاؤ دنیاوی ہمارا ہوگا وہ بھی مذہبی ہوگا اور ہماری ہر بات اور ہر چال اور فعل اور ہر عمل میں جلوہ اسلام کا چمکے گا۔ اگر وہ برتاؤ مطابق شریعت کے ہے تو وہ نور اسلام ہے اور اگر مخالف ہے تو وہ داغ اسلام۔ شریعت نے ہم کو رہبانیت کی تعلیم نہیں کی۔ جوگی ہونے کی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا ہے: **کلو من الطیبات واعملو صالحا**'' اس لیے اگر دل بیمار اور دست بکار ہو تو عین ثواب ہے۔ شریعت نے دائرہ معیشت کو تنگ نہیں کیا' زینت دنیا کو ممنوع نہیں گردانا۔ ہم سب مسلمان محرمات سے بچ کر اپنی زندگی کو نہایت آرام سے بسر کر سکتے ہیں اور اپنی اوقات کو اور اپنے مال کو اگر اپنے بھائیوں کی بھلائی میں صرف کریں تو کسی عبادے میں اس سے زیادہ ثواب کے مستحق نہیں ہوسکتے۔ لیکن ہم نے اپنی بدبختی سے دین کو شرک و بدعت کے عقیدوں سے خراب اور دنیا کو غفلت اور جہالت کے سبب سے برباد کر رکھا ہے۔ نہ دین کے ہوئے نہ دنیا کے۔

گئے دونوں جہاں کے کام سے ہم نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے
نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم' نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے

جب ہم خلفائے راشدینؓ کے اصول سیاست اور طریق معاشرت واخلاق اور عادات اور چال چلن اور برتاؤ کو دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھوں کے سامنے بہت سی

عجیب وغریب چیزیں پھر جاتی ہیں اور بہت سے عقدے ہمارے حل ہو جاتے ہیں۔اس لیے ہم کچھ مختصر سا حال خلفائے راشدین کی خلافت کا لکھتے ہیں۔لیکن صرف ان باتوں کو جو کہ متعلق سیاست اور معاشرت کے ہیں' تا کہ اس سے فوائد ذیل حاصل ہوں۔

اول معلوم ہونا ان کے اصول سیاست کا کہ وہ کیسے تھے اور کن قواعد پر مبنی تھے۔دوسرے ظاہر کرنا ان کے اخلاق وعادات کا کہ وہ کیسی صفائی اور سچائی اور راستی ہر معاملہ میں رکھتے تھے۔اور غیر مذہب والوں سے کس طور سے پیش آتے تھے۔تیسرے ظاہر کرنا ان کے مختلف قواعد انتظامیہ کا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موافق ضرورت وقت اور حال زمانہ کے اصول سیاست اور تمدن اور معاشرت کے مقرر کرنا اور وقتاً فوقتاً ان میں اصلاح کرنا اور نئے نئے ضابطے جو پہلے جاری نہ تھے' منضبط کرنا اور امور مفید عام کے اجرا میں کوشش کرنا (بشرطیکہ کوئی نص کتاب وسنت سے اس کے منع اور حرمت پر نہ ہو) ان کے نزدیک بدعت نہ تھا۔

چوتھے مخالفت ان سلاطین اسلامیہ کی شریعے سے جنہوں نے اپنی حرکات ظالمانہ اور افعال جابرانہ سے اپنے بے جا تعصب اور غلط غضب کو سلطنت کے کاموں میں دخل دیا اور ناجائز طور سے اپنے اختیارات شاہی کو برتا اور اسلام کو بٹہ لگایا۔پانچویں واقف کرنا اپنے بھائی مسلمانوں کو ان کے پیشواؤں کے اخلاق اور عادات سے ان کے قواعد انتظامیہ اور قوانین حکمیہ سے تا کہ ان کو معلوم ہو کہ وہ امورات انتظام سلطنت میں کیسی استعداد رکھتے تھے اور وہ تہذیب وشائستگی کی ترویج میں کیسی سعی بلیغ کرتے تھے۔

پہلا اصول جس پر بنا خلافت کی تھی' اجتماع تھا۔یعنی امام اور خلیفہ کا مقرر ہونا تمام امت اور رعیت کی مرضی پر موقوف تھا۔قرابت اور رشتہ اور وارث کو اس میں کچھ دخل نہ تھا۔چنانچہ جب وقت وفات حضرت عمرؓ کا قریب ہوا تو لوگوں نے کہا کہ آپؓ اپنے بیٹے عبداللہؓ کو اپنا جانشین مقرر کر دیجیے' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کا کچھ حق نہیں ہے۔

دوسرا اصول خلیفہ کو آزادی اور خودمختاری کا حاصل نہ ہونا۔امام اور خلیفہ اجرائے احکام اور انتظام امورات سلطنت میں آزاد اور خودمختار نہ ہونا تھا اور اپنی خواہشات اور ارادوں کو بلا قید شریعت کے پورا کرنا کیسا' ظاہر بھی نہ کر سکتا تھا۔کتاب وسنت کا پابند ہوتا تھا۔چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے' جبکہ وہ خلیفہ مقرر ہوئے جو پہلا خطبہ پڑھا وہ یہ تھا:

''اے مسلمانو! میں آدمی ہوں ویسا ہی جیسے کہ تم ہو۔نہ خطاؤں سے معصوم ہوں' نہ غلطیوں سے محفوظ۔نہ تم سب سے بہتر اور اچھا ہوں۔اس لیے تم میری خبرداری رکھنا۔جو باتیں میرے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے موافق ہوں' ان میں میری تبعیت کرنا اور جن میں مجھے لغزش کرتے ہوئے دیکھنا' سنبھالنا''۔

تیسرا اصول رعایا کو آزادی حاصل ہونا۔سوائے شریعت کے احکام کے رعایا کو کسی قسم کے امام اور خلیفہ کی طرف سے پابندی نہ تھی اور خلیفہ کو کسی پر کچھ اختیار سوائے اس کے جو قانون شریعت سے جائز تھا' حاصل نہ تھا بلکہ ذاتی معاملات میں خلیفہ خود مدعی اور خود مدعا علیہ ہوتا تھا۔اور کوئی عامل اور والی صوبہ اس اصول کی پابندی سے اپنے اختیارات کو ناجائز طور پر سے استعمال میں نہیں لا سکتا تھا۔ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ فلاں حاکم نے مجھے بے قصور شرعی کوڑے مارے ہیں۔حضرت عمرؓ نے بعد ثبوت کے اس حاکم کو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا۔عمر بن عاصؓ نے سفارش کی تب جواب دیا کہ جب پیغمبر ﷺ اپنی ذات کو قصاص اور احکام شرعی سے مستثنیٰ نہیں سمجھتے تھے تو پھر میں یا یہ کون ہیں؟

آزادی کا درجہ یہاں تک پہنچا تھا کہ اگر خلیفہ کسی شخص کو شرعی جرم میں ماخوذ کرتے یعنی بغیر ضابطہ معین کے' تو مجرم عذر کرتا اور اپنے آپ کو بچا لیتا۔چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ رات کو مدینہ کا گشت کرتے کرتے ایک ایسے گھر کے پاس پہنچے وہاں سے گانے کی آواز آتی تھی۔وہ اس گھر کے اندر دیوار کی راہ سے گھس گئے۔وہاں ایک عورت کو دیکھا کہ شراب رکھی ہوئی ہے اور وہ گاتی ہے۔حضرت عمرؓ نے اس کو پکڑا۔اس عورت نے کہا کہ میں نے اگر ایک گناہ کیا ہے تو آپؓ نے تین جرم کیے ہیں۔اول اللہ نے فرمایا **''لا تجسسوا''** کہ تم تجسس نہ کرتے پھرو۔سو آپ نے تجسس کیا۔دوم اللہ نے فرمایا **''لیس البر بان تاتوا البیوت من ظهورها''** کہ دیوار کے پیچھے سے کسی مکان میں گھسنا اچھا نہیں ہے۔اور آپ دروازہ بند پا کر پشت مکان سے داخل ہوئے۔سوم اللہ فرماتا ہے **''لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم''** کہ اپنے گھر کے سوا دوسرے کے گھر میں نہ جاؤ اور آپ میری اجازت کے بغیر چلے آئے۔چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو چھوڑ دیا۔

حضرت عمرؓ باوجود اپنے زہد اور ورع کے کہ جس سے زیادہ خیال میں نہیں آ سکتا' عام لوگوں کو مباحات سے منع نہ کرتے تھے اور کھانے پینے' آرام کرنے میں وہ آزاد مطلق تھے۔ چنانچہ جب حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے انطاکیہ شہر کو فتح کیا اور بہ سبب پاک صاف ہونے اس شہر کے اور عمدہ چیزوں کے مسلمانوں نے وہاں چند روز ٹھہرنے کا قصد کیا تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ میں اس شہر میں ٹھہرنا پسند نہیں کرتا' ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو اس کی آب و ہوا پسند آوے اور دنیا کی محبت ان پر غالب ہو جائے۔ بجواب اس کے حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اللہ نے پاک چیزوں کو حرام نہیں کیا' تم کیوں حرام کرتے ہو؟

چوتھا اصول شوریٰ: اس کی اصل قرآنِ مجید سے ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ'' کہ جو کام پیش آئے اس میں صلاح مشورہ کرنا اور پھر عزم مصمم ہو جائے تو اللہ پر بھروسا کر کے ان کو شروع کرنا۔ حضرت عمرؓ نے اس اصول کا ہمیشہ لحاظ رکھا اور نہایت خوش اسلوبی سے اس کی پابندی کی۔ جب وہ کوئی کام کرتے تو سب سے مشورہ اور صلاح کرتے اور پھر سب کو میزان عقل میں تولتے اور بعدہ ایک رائے پر نہایت استقلال سے قائم ہو جاتے۔ اسی واسطے تدبیر مملکت میں انہوں نے دھوکا نہ پایا اور ان کی سب تدبیریں مفید پڑیں۔ حضرت عمرؓ کو اس اصول کا یہاں تک لحاظ تھا کہ اگر کسی فروعی مسئلہ میں وہ نص صریح کتاب وسنت کی نہ پاتے تو وہ مشورہ کرتے۔ یہ چوتھا اصول بھی دوسرے اصول کا ثمرہ ہے۔ اس لیے کہ جب بادشاہ کو آزادی اور خودمختاری نہ ہوگی تو لامحالہ وہ صرف اپنی مرضی سے کام نہ کر سکے گا اور اس کی ضرورت ان لوگوں سے پوچھنے کی ہوگی جو کہ صاحب الرائے ہوں۔ یہ اصول وہی ہے جو کہ ان تربیت یافتہ قوموں میں جاری ہے اور جس کو باختلاف لغت اور زبان کے کونسل کہتے ہیں۔

پانچواں اصول خلیفہ کو ملک کی آمدنی کا سوائے حق معین کے اپنے صرف میں نہ لانا ہے۔ ملک کی آمدنی خواہ وہ جزیہ کی ہوتی ہو یا خراج کی یا عشر کی' وہ سب بیت المال میں جمع ہوتی۔ خلیفہ کو کسی قسم کا اختیار اس پر نہ تھا۔ صرف روزینہ یا تنخواہ مقرری کے سوا وہ کچھ نہ لے سکتے تھے۔ ابتدائے عہدِ خلافت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو صرف کھانا' کپڑا ملتا تھا۔ اور جب آمدنی زیادہ ہوئی تب دو ہزار پانچ سو درہم ملنے لگے اور حضرت عمرؓ بھی اپنی ذات کے واسطے صرف اس قدر لیتے جس قدر دوسرے مہاجرین و انصار کو دیتے تھے۔

جو آمدنی ملک کی ہوتی وہ خزانہ میں جمع ہوتی۔ اور فوج کے سرداروں اور سپاہیوں اور مہاجرین وانصار کو اس سے مشاہرہ مقررہ اور فقرا اور مساکین کو آذوقہ کافی دیا جاتا۔ اور بوقت ضرورت عام فائدہ کے کاموں میں صرف کی جاتی جس طرح پر کوفہ اور بصرہ وغیرہ شہروں کی آبادی اور عمارت میں یا وقت ایام قحط مدینہ کے جس کا نام قحط مادہ ہے' غلہ کے باہر سے منگوانے میں صرف کی گئی۔ ملک کی آمدنی سے جس طرح مسلمان فقرا اور مساکین کو حصہ دیا جاتا اسی طرح اہلِ کتاب وغیرہ کو بھی۔ کچھ تخصیص مسلمانوں کو نہ تھی۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے یہودی کو ایک جگہ سوال کرتے دیکھا اور وقت استفسار معلوم ہوا کہ جزیہ کے مطالبہ کے واسطے سوال کرتا ہے۔ اسی وقت اس کا ہاتھ پکڑ کر نہایت اخلاق سے اپنے گھر لائے اور کچھ اس کو دیا اور جزیہ کے تحصیل کرنے والوں کو حکم دیا کہ اس کا اور اس قسم کے لوگوں کا خیال رکھنا۔ یہ کون سا انصاف ہے کہ اس کی جوانی کی کمائی تو ہم کھائیں اور بڑھاپے میں اس کو ذلیل کریں اور اس کی کچھ بھی خبر نہ لیں۔ اس لیے آئندہ ایسے لوگوں سے مطالبہ نہ کرو اور ان کو جزیہ سے معاف جانو اور بیت المال کے داروغہ کو حکم دیا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ **''انما الصدقات للفقراء''** اور یہ بھی مساکین اہلِ کتاب سے ہیں اس لیے ان کو دینا چاہیے۔

چھٹا اصول وقت لشکر کشی کے کسی ملک پر مراعات اور حسن سلوک کا لحاظ رکھنا اور کسی پر بے جا زیادتی نہ کرنا اور جہاں تک ممکن ہو نرمی سے پیش آنا۔ جب کسی ملک کو فتح کرنے کیلئے لشکر بھیجا جاتا تھا تو اس لشکر کے سردار کو جو احکام دیے جاتے تھے ان میں امور مفصلہ ذیل پر نہایت تاکید کی جاتی تھی۔

1- کوئی عورت اور لڑکا اور بڈھا اور ضعیف نہ مارا جائے۔

2- کسی کی ناک کان نہ کاٹا جائے۔

3- عبادت کرنے والے گوشہ نشین قتل نہ کیے جائیں۔ اور ان کے عبادت خانے نہ کھودے جائیں۔

4- کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے۔ کوئی کھیت نہ جلایا جائے۔

5- کوئی عمارت اور آبادی ویران نہ کی جائے۔

6- کسی جانور بکری' اونٹ وغیرہ کی کونچیں نہ کاٹی جائیں۔

7- کوئی کام بغیر صلاح مشورہ کے نہ ہو۔

8- ہر ایک کے ساتھ طریقہ انصاف اور عدل کا برتاؤ کیا جائے۔ کسی پر ظلم اور جبر نہ کیا جائے۔

9- جو عہد و پیمان غیر مذاہب والوں سے کیا جائے اس میں بے وفائی نہ کی جائے۔

10- جو لوگ اطاعت قبول کریں اور جزیہ دیں ان کی جان و مال مسلمانوں کی جان و مال کے برابر سمجھی جائیں اور ان کے دشمنوں سے ان کی حفاظت کی جائے اور تمام معاملات میں ان کے احکام مثل مسلمانوں کے تصور کیے جائیں۔

11- جب تک اسلام کے قبول کرنے کی دعوت نہ دی گئی ہو لڑنا نہ چاہیے۔

ان احکام پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ مقابلہ اور لشکر کشی کے وقت کسی نیکی اور رحم اور نرمی کی رعایت کی جاتی تھی اور غدر' فریب اور بدعہدی پر کس قدر تہدید ہوتی تھی۔ کوئی بادشاہ نیک سانیک اور رحیم سا رحیم کیوں نہ ہو لشکر کشی کے وقت اس سے زیادہ نرمی نہیں کر سکتا۔

ساتواں اصول: امور ریاست اور انتظام سلطنت جیسے عمدہ انصرام کیلئے لائق عہدہ داروں اور اہل کاروں کا منتخب کرنا اور ان کو وقت مقرر کرنے کی ہدایات خاص کرنا اور ہمیشہ ان کی نگرانی کرنا۔

جس عامل کو حضرت عمرؓ مقرر کرتے اس کو احکام ذیل سناتے اور اس کی تعمیل کی تاکید کرتے۔

1- چوہدار اور حاجب نہ رکھنا۔ کسی مستغیث کو آنے کی روک ٹوک کا ذریعہ پیدا نہ کرنا۔ گویا یہ حکم تھا کہ درِ عدالت کو ہر وقت کھلا رکھنا۔ 2- جب کوئی استغاثہ کرے اس کو سننا اور مدعی سے گواہ عادل اور منکر سے قسم لے کر اس کو فیصلہ کرنا' جس شخص پر حد شرعی جاری نہ ہوئی ہو یا جھوٹی شہادت میں مشہور نہ ہو یا اس پر محبت اور وراثت کی تہمت نہ ہو وہ عادل سمجھا جائے گا۔ اگر گواہوں کی حاضری کے واسطے مہلت مانگی جائے تو مہلت دینا۔ 3- مقدمات کا جلد فیصہ کرنا تا کہ ایسا نہ ہو کہ مدعی دیر کے سبب سے اپنا دعویٰ چھوڑ بیٹھے۔ 4- باہم مصالحت اور رضامندی کو منظور کرنا بشرطیکہ اس سے تحلیل حرام اور تحریم حلال نہ ہو۔ 5- متخاصمین پر سختی اور درشتی اور غصہ نہ کرنا۔ 6- رعب قائم رکھنا مگر نہ اتنا کہ وہ منجر بہ جبر ہو اور اخلاق و نرمی کرنا مگر نہ اس قدر کہ حکومت میں سستی اور بدرعبی ہو۔ 7- ہمیشہ عدل اور انصاف کرنا اور حق بہ حق دار پہنچانا۔

عدل اور انصاف پر یہاں تک حضرت عمرؓ کا عمل رہتا تھا کہ وہ مسلمان اور کافر میں کچھ تفرقہ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ سعید بن مسیّب سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک یہودی اور ایک مسلمان مخاصمہ کرتے ہوئے آئے اور ان کے نزدیک حق یہودی کا ثابت ہوا۔ اسی کے حق میں فیصلہ کیا' وہ یہودی اس عدل کو دیکھ کر مدح و ثنا کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ جس طرح اپنے عاملوں کو تاکید کرتے تھے اسی طرح رعایا کو بھی آگاہ کر دیا کرتے تھے کہ سوائے شریعت کے احکام کے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ حاکم کو ادنیٰ سے ادنیٰ رعیت پر کچھ اختیار نہیں ہے کہ اگر عامل کچھ کسی پر جبر و زیادتی کرے میں اس کو اسی طرح مجرم سمجھوں گا جیسا کہ ادنیٰ رعیت کو سمجھتا ہوں اور اس کو سزا دوں گا۔ سب اپنی عزت اور جان اور مال میں سوائے احکام شرعی کے آزاد اور خود مختار ہیں اور حاکم اور رعیت سب برابر ہیں۔ حضرت عمرؓ اپنے عاملوں کو خود مختار اور آزاد نہ ہونے دیتے تھے۔ ان کی نگرانی رکھتے' ہمیشہ ان کی تبدیلی کیا کرتے۔ ان سے اگر خطا ہو جاتی تو معزول کر دیا کرتے تھے۔ جواب دہی کیلئے دار الخلافہ میں طلب کرتے' بعض قصوروں میں ان پر جرمانہ کرتے۔

آٹھواں اصول: امرِ مملکت کے انتظام کی نظیر سے قوانین اور ضوابط جدید کا جاری کرنا وقتاً فوقتاً موقع اور مصلحت وقت دیکھ کر اس کی اصلاح و ترمیم کرنا بشرطیکہ کوئی نص اس کی حرمت پر کتاب و سنت کی موجود نہ ہو۔ آج کل کے زمانے میں جہاں کسی نے کوئی نئی بات کی' گو اس کو ثواب اور عذاب سے علاقہ نہ ہو لوگ بدعت کہنے لگتے ہیں اور اس کو حرام اور منع بتلاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ جس بات کو شرع نے حرام کر دیا ہے اس کو چھوڑ کر سب چیزیں مباح ہیں۔ اس لیے الاصل فی الاشیاء الاباحہ اور یہ نہیں سوچتے کہ ان امور میں جو متعلق سیاست مدن اور معاشرت کے ہیں ہمیشہ اختلاف زمانہ سے اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ اور ان کا ترمیم کرنا اور ان میں اصلاح دینا ضروری ہو

جاتا ہے۔ان میں اسی قاعدہ کا لحاظ کرنا چاہیے جس کا حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں کیا یعنی محرمات منصوصہ کو چھوڑ کر ان باتوں کو اختیار کرنے میں جوان کے زمانہ کے مناسب حال تھیں کچھ ذرا سا بھی تامل نہ کیا اور کسی نے اس کو بدعت نہ کہا۔

پہلا نیا کام جو حضرت عمرؓ نے کیا وہ دفتر اور کچہری کا مقرر کرنا اور لشکیوں اور ملازموں اور روزینہ والوں کا نام لکھا جانا اور ان کی تنخواہیں مقرر کرنا۔قبل حضرت عمرؓ کے جو مال غنیمت آتا تھا ویسا ہی تقسیم کر دیا جاتا تھا۔نہ نام پانے والے کا اور نہ تعداد اس مال کی لکھی جاتی تھی جبکہ حضرت عمرؓ کو اس قاعدہ میں ترمیم کی حاجت معلوم ہوئی تب مشورہ کیا۔ولید ابن ہشام نے کہا کہ میں نے بادشاہانِ شام کے ہاں دیکھا ہے کہ وہ دفتر رکھتے ہیں اور ان میں حساب کتاب تحریر رہتا ہے۔حضرت عمرؓ نے اس کو پسند کیا اور عقیل ابن ابی طالب اور ورقہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم کو منشی مقرر کیا اور سب کے نام لکھنے کا حکم دیا اور یہ کام حضرت عمرؓ نے 20 ہجری محرم کے مہینے میں کیا۔

دوسرا کام جو انہوں نے کیا وہ تاریخ ہجری کا جاری کرنا ہے۔اس کا پہلے ان کے ہاں رواج نہ تھا۔

تیسرا کام ان کا خزانہ کا مقرر کرنا ہے۔جس کو ہماری اصطلاح میں بیت المال کہتے ہیں۔

چوتھا کام ان کا تقسیم اختیارات اور عہدوں کا ہے۔اس سے پہلے جو کام ہوتا تھا وہ ایک ہی شخص کرتا تھا مگر بخیال اس کے کہ اس میں چند قباحتیں نظر آئیں اس کو بدل دیا۔اور تین قسم کے عہدہ دار مقرر کیے۔ایک امیر جس کے متعلق انتظام کل امور ریاست کا ہوتا ہے اور جس کے اختیار میں فوج رہتی تھی۔دوسرا قاضی کا کام انفصال خصوصیات اور تصفیہ حقوق تھا۔تیسرا تحویل دار جس کے سپردگی میں خزانہ رہتا تھا اور ایک دوسرے کے کام سے کچھ تعلق نہ تھا۔

پانچواں کام ان کا جو سننے والوں کو متعجب کرتا ہے مقرر کرنا قواعد خراج اور محصول کا۔

محصول لینے کے چند طریقے رکھے گئے تھے۔ایک جزیہ اگر وہ برضا مندی دینے والے کے ٹھہرتا تو اس میں کمی بیشی نہ ہوتی ورنہ بشرح مختلف لیا جاتا مگر درہم ماہواری سے زیادہ نہیں۔دوسرا محصول تجارتی پر جس کی شرح یہ تھی ذمی سے پانچ روپیہ سینکڑا اور حربیوں سے دس روپے سینکڑا لیکن یہ محصول سالانہ ہوتا تھا۔اگر وہ مال سال بھر میں چند مرتبہ آوے تو پھر کبھی اس سے نہ لیا جاتا تھا اور اگر کوئی تحصیل کنندہ غلطی سے لیتا تو وہ واپس کر دیا جاتا۔جیسا کہ ایک عیسائی تاجر کو پھیر دیا گیا۔

تیسرا محصول زمین کا۔اس محصول کے اس وقت باقاعدہ مقرر ہونے پر لوگوں کو تعجب ہوگا کہ وہ فی جریب شرح مقرر پر بعد پیائش اراضی کے اکثر جگہ لیا جاتا تھا' چنانچہ جب ملک عراق فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس زمین کی پیائش کی جائے' چنانچہ عثمان ابن حنیف اور حذیفہ ابن یمان اس کام پر مقرر ہوئے۔بعد پیائش کے معلوم ہوا کہ کل اراضی تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہے۔اس پر موافق حیثیت پیداوار اراضی کے شرح مقرر کی گئی۔

اور یہ صرف عراق میں جاری نہیں ہوا بلکہ شام اور دیگر جزائر میں بھی اسی طور پر کیا گیا لیکن جب سب مقبوضہ میں اس کا رواج نہیں ہونے پایا۔محصول کی تحصیل میں نہایت آسانی کا حکم تھا اور تکلیف جسمانی دینے کی سخت ممانعت تھی۔چنانچہ ایک مرتبہ خود حضرت عمرؓ نے وقت مراجعت سفر شام کے دیکھا کہ ایک قوم کو تحصیل کرنے والے محصول کے ساتھ ہیں آپؓ نے ان کو چھڑا دیا اور فرمایا کہ پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ دنیا میں عذاب دیتے ہیں وہ قیامت میں عذاب کیے جائیں گے۔جو ملک فتح کیا جاتا اور مصالحت کی جاتی تو یہ شرطیں عہدنامہ میں داخل ہوتیں۔

1- خراج کی تحصیل۔2- جو مسلمان ان کے ملک میں گزرے اس کی تین روز تک مہمانی کرنا۔3- راہ بتلانا۔4- دشمنوں سے سازش نہ کرنا۔5- مجرم کو پناہ نہ دینا۔

چھٹا کام ان کا زمین کی آبادی میں سعی کرنا۔حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ جو زمین بنجر کو مزروعہ کرے وہ زمین اسی کی ہو جائے گی۔غرض اس حکم سے یہ تھی کہ لوگ زراعت کرنے لگیں۔

ساتواں کام ان کا شہروں کی آبادی تھی۔چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس جگہ پر جہاں اب بصرہ شہر آباد ہے' اس کی بنیاد ڈالی اور بصرہ شہر کو آباد کیا۔قبل اس کے وہ مقام ایسا تھا کہ جہاں جہاز اور کشتیاں عجم اور ہند کی لنگر کرتی تھیں۔بنظر حفاظت ملک کے دشمنوں کی اور بنظر فائدہ تجارت کے اس شہر کو آباد کیا اور وہاں ایک فوج کی چھاؤنی مقرر کی۔دوسرا کوفہ بھی آباد کیا ہوا ان کا ہے۔اس کے آباد کرنے کا یہ سبب ہے کہ جب مسلمان شہر مداین میں بہت سے ہو گئے تو وہاں کی آب و ہوا بگڑ گئی اور لوگ بیمار ہو گئے تب سعد ابن ابی وقاصؓ کو عمدہ اور پھونس کے چھپر کا حکم دیا لیکن پھر اس میں پختہ عمارت بنوانے کی اجازت دی۔

آٹھواں کام ان کا تجارت کی آزادی ہے۔ تمام لوگوں کو بالحاظ مذہب اور دین کے تجارت کرنے کی اجازت تھی۔ بلکہ حربیوں کو حکم عام تھا کہ وہ مجاز ہیں کہ دارالسلام میں آئیں اور مسلمانوں سے خرید وفروخت کریں۔ مدین شہر کے حربیوں نے درخواست کی کہ ہم کو عشر لے کر آنے کی اجازت ہو' چنانچہ ان کو اجازت دی گئی۔

نفاذِ اسلام اور امتِ مسلمہ کا فرض

.....میاں عبدالواحد

''الیومہ اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا'' (المائدہ:3)۔

''میں نے آج تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت تمام کر دی''۔

اس فرمان میں دین کی تکمیل کی بات کی گئی ہے۔ اگر کوئی بندہ بھی دین کو صرف عقائد اور عبادات یا کچھ خاص رسوم وروایات کے ساتھ خاص کر دیتا ہے تو اس آیت کا معنی کیا ہو کر رہ جائے گا؟ کیا سوال پیدا نہیں ہوگا کہ دین اگر مکمل ہے تو اس میں زندگی کے تمام شعبہ جات کے اصول کیوں نہیں ہیں۔ پھر سیاست اسلام سے خارج کیوں؟ دین میں پورے پورے شامل ہو کر اسے مکمل ضابطۂ حیات سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اسلام کے جتنے دشمن ہیں' ان کی دشمنی اس وجہ سے نہیں کہ مسلمان عبادت کیوں کرتے ہیں؟ وہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ روزہ' زکوٰۃ اور حج بیت اللہ پر کیوں عمل پیرا ہوتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ دشمنی ''سیاسی اور انتظامی اسلام'' کی کرتے ہیں۔ ''روحانی اسلام'' کے تو وہ حامی ہیں۔ لہٰذا اسلام چند عقائد اور مراسمِ عبودیت کا نام نہیں' اسلام مکمل ضابطۂ حیات کا نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا کے پاس قریش کے جرگہ نے آ کر کہا کہ اپنے بھتیجے کو کہو کہ اپنا کام کرتے جاؤ' لیکن ہمارے معاملات میں دخل اندازی نہ کریں۔ لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے کھل کر فرمایا کہ **''لا الہ الا للہ''** کا کلمہ پڑھیں' کامیاب ہو جائیں گے۔ عرب کیا عجم بھی آپ کے تابع ہو جائے گا''۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان لوگوں کو یہ احساس دلایا ہے کہ اسلام غالب ہو کر رہے گا۔ ایک وقت آئے گا کہ روئے زمین پر اسلام ہی کی حکومت ہوگی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے سراقہ بن مالک کو اس وقت کسریٰ کے کنگن کی بشارت سنائی تھی جب آپ ﷺ قوم کی بربریت اور ظلم سے تنگ آ کر ہجرت کر رہے تھے۔ یہ حیران کن اور بہت بڑی خبر تھی۔ اس لیے سراقہ نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ کیا شہنشاہِ ایران؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں شاہِ ایران! لیکن اللہ کے رسول ﷺ کا عزم جواں تھا' آپ ﷺ پرعزم تھے اور اپنے مقصد کے حصول کیلئے مخلص تھے اس لیے بغیر کسی جھجک کے اپنے ہدف کا تذکرہ کیا۔ غرض یہ کہ دین صرف چند رسومات کا نام نہیں' بلکہ مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اس پر مکمل عمل پیرا ہونے کیلئے اس کو سیاسی اور قانونی طور پر غالب کرنا ضروری ہے۔

اقامتِ دین کی اصطلاح دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ ''اقامت'' اور ''دین''۔ لفظ اقامت جب کسی معنوی چیز کیلئے استعمال ہو تو اس کا معنہ ہوتا ہے اس چیز کا پورا پورا حق ادا کرنا' متعلقہ کام پوری توجہ اور کامل اہتمام کے ساتھ بہترین شکل میں انجام دینا۔ امام راغب اصفہانی اس کا معنی کرتے ہیں:

''اقامہ الشئیء توفیتہ'' یعنی کسی شے کی اقامت کا معنی ہے کہ اس کا پورا پورا حق ادا کرنا ہے۔ **''حتی تقیموا التورۃ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم''** کے تحت **''تقیموا''** کا معنی کیا ہے۔ **''ای توفون حقوقھا بالعلم والعمل''** یعنی تم علم وعمل کے ذریعے اس کا پورا حق ادا کرو۔

دین: اصطلاح میں اللہ کی بندگی کا وہ طریقہ اور انسانی زندگی کا وہ نظام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کے ذریعہ اس کے بندوں کو عمل درآمد کیلئے دیا گیا ہے' جس کی تفصیلات اللہ کی کتاب اور نبی ﷺ کے ارشادات میں موجود ہیں۔

دین اطاعت اور بندگی کا نام ہے۔ ''الکشف والبیان'' میں ابن عباسؓ کا قول نقل کیا گیا ہے:

''الدین طاعۃ'' دین اطاعت اور فرمانبرداری کا نام ہے' مراد پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہونی چاہیے۔ امتِ محمد ﷺ ساری ملتوں اور امتوں سے بہتر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بہترین امت قرار دیا ہے اور اس کی یہ وجہ بتائی ہے:

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی اصلاح کیلئے نکالے گئے ہو' تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

یہاں اس امت کے بہترین ہونے کی وجہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بتائی گئی ہے جو یہودیت کے مقابلے میں اس امت کی خاصیت ہے' کیونکہ یہود لوگوں کو

نیکی کا حکم اور منکر سے منع نہیں کرتے تھے۔ ''وہ آپس میں ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو وہ کیا کرتے تھے'' (المائدہ:79)۔ بنیادی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حکومت کا کام ہے' کیونکہ اس کیلئے قوت اور طاقت کی ضرورت ہوتی ہے' دوسرے لوگ ایک حد تک طاقت کا استعمال کر سکتے ہیں اس سے آگے وعظ ونصیحت کریں گے کیونکہ کسی کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر ہر آدمی طاقت کا استعمال کرنے لگ جائے تو اس کا نتیجہ بگاڑ اور فساد ہوگا نہ کہ اصلاح۔ یہ کام حکومت کے ذریعے بالکل آسانی سے ممکن بھی ہے اور کسی فساد اور بگاڑ کا خوف بھی نہیں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''تم میں جو آدمی کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے' طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں ہی اسے برا محسوس کرے لیکن یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''

نفاذِ دین اور انبیا کرام:

''اس نے تمہارے لیے دین کا وہ ہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا اور (اے محمد ﷺ) اب آپ کی طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں کہ دین کو قائم کرو اور آپس میں متفرق نہ ہو جاؤ''

''دین کو شریعت کہنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کی حیثیت محض سفارش اور وعظ ونصیحت کی نہیں ہے بلکہ یہ بندوں کیلئے ان کے مالک کا واجب الاطاعت قانون ہے جس کی پیروی نہ کرنے کا معنی بغاوت ہے اور جو شخص اس کی پیروی نہیں کرتا وہ حقیقت میں اللہ کی بڑائی' حاکمیت اور اپنے بندہ ہونے کا انکار کرتا ہے'' (تفہیم القرآن)۔

صاحبِ کشاف اس کا معنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کہ اقامتِ دین سے مراد ہے کہ وہ اسلام قائم کریں جو فی الحقیقت نام ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی اطاعت کا جس طرح اللہ تعالیٰ کو خالقیت' مالکیت اور الوہیت میں یکتا ماننا ضروری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو حاکمیت میں بھی یکتا ماننا ضروری ہے اور حکم میں اس کے احکام کو معیار ماننا ضروری ہے۔ اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ لہٰذا ریاست میں کسی فرد' پارٹی یا شخص کے اقتدارِ اعلیٰ کے بجائے دینِ اسلام کے تقاضے یعنی حکومتِ الٰہیہ کے قیام کو پورا کرنے کی کوشش کرنا فرض ہے۔ امام ثعلبیؒ لکھتے ہیں:

''یعنی سارے کے سارے انبیاء دین کو قائم کرنے اور لوگوں میں اجتماعیت' الفت ومحبت کو قائم کرنے اور فرقہ واریت اور مخالفتوں کو ختم کرنے کیلئے بھیجے گئے تھے۔ انبیاء کرامؑ کے اغراض ومقاصد میں یہ ایک اہم فریضہ اور مقصد ہوا کرتا تھا''۔

تفسیر المنار میں لکھا گیا ہے:

''یعنی اقامتِ دین کا مرتبہ عام دینداری سے اونچا ہے' اقامتِ دین اچھی طرح دین پر عمل کرنے کو کہتے ہیں' اسی طرح کہ اس کی بنیادیں مضبوط کر دی جائیں''۔

اور جو لوگ اقامتِ دین اور احکامِ الٰہی کے قیام کی سعی نہیں کرتے ان کو اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا کہ تمہاری کوئی حیثیت ہی نہیں' تم کسی دین پر ہی نہیں ہو' اگرچہ کچھ رسمی عبادات کیوں نہ کرتے جائیں۔

''کہہ دو اے اہلِ کتاب! تم بالکل کسی اصل پر نہیں ہو گے کہ جب تک کہ تورات اور انجیل نافذ نہ کرو اور جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں''۔

دین کی برکات:

''اور اگر انہوں نے تورات اور انجیل اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے اس پر عمل کیا ہوتا تو ان کیلئے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے بھی''۔

اس کی تشریح ''تفسیر بحر المحیط'' میں بایں الفاظ میں کی گئی ہے: ''یعنی اقامت کا معنی یہ ہے کہ ان کتابوں میں جو احکام اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی خیر کیلئے مقرر کیے تھے ان کو نافذ کر دیتے اور ان کی ادائیگی کی نگرانی اپنے اوپر لازم کر لیتے تو پھر اس کی برکات صرف آخرت میں نہیں بلکہ دنیا میں بھی انہیں نظر آتیں''۔ اسلامی حکومت کی برکات کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے بھی پیشین گوئی فرمائی ہے کہ جب عیسیٰؑ کا نزول ہوگا اور اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی تو مال ودولت کی اس قدر فراوانی ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مال اتنا زیادہ ہوگا کہ اسے قبول کرنے والا کوئی نہیں ملے گا''۔ لہٰذا اس سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی

دین بھیجا ہے وہ انفرادی اور اجتماعی نفاذ اور اقامت کیلئے بھیجا گیا ہے۔

احادیث میں بھی اسی گروہ کو عزت کا مستحق قرار دیا گیا ہے جو دین کی اقامت کیلئے کوشاں ہوں گے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''یہ امارت قریش کے پاس ہو گی' جو بھی ان سے دشمنی کرے گا وہ ذلیل ہوگا بشرطیکہ قریش دین کے قیام کے لیے کوشاں رہیں''۔

حدود اللہ کا نفاذ:

اللہ تعالیٰ نے بعض جرائم کی سزائیں مقرر کی ہیں اور ان کے نفاذ کا حکم دیا ہے جن میں چور کی سزا بھی مقرر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو''۔ امام قرطبیؒ اس کی یوں تشریح کرتے ہیں: ''لوگوں میں سے کسی مرد یا عورت نے چوری کی تو ان کے ہاتھ کاٹو اور اے لوگو! میرے حکم یعنی چور کی سزا اور دوسرے جرائم پیشہ لوگوں کی سزاؤں میں کمی نہ کرو'' (تفسیر ابن حریر)۔

ان قوانین کا اجرا اولوالامر یعنی حکومت کے ذریعے ہی ہوگا' کیونکہ نظمِ مملکت اس کا تقاضا کرتا ہے ورنہ معاشرے میں افراتفری پھیل جائے گی۔ دو باتیں ثابت شدہ ہیں۔ ایک یہ کہ اجتماعی احکام کی اصل مخاطب پوری امت ہے اور دوسری یہ کہ اس کا عملی نفاذ صرف اولوالامر کرتے ہیں تو اس کا متفقہ مطلب یہ ہے کہ اولوالامر ان احکام کا اجرا و نفاذ پوری امت کی طرف سے اور اس کی نیابت میں کرتے ہیں' بالفاظِ دیگر یہ فریضہ پوری امتِ مسلمہ کا ہے کہ اس کے قیام کیلئے کوشش کریں اور حاکم مقرر کر کے پھر ان کا نفاذ کرتے جائیں۔ جب حکم ساری امت کو ہے تو لازم ہے کہ اگر حکمران اس کا نفاذ نہیں کرتے تو ان کو مجبور کریں یا ان کو ہٹا کر دوسروں کا انتخاب کریں۔

صحابہؓ اور اقامتِ دین:

ابنِ مسعودؓ صحابہ کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یعنی یہ وہ لوگ تھے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور اقامتِ دین کیلئے منتخب فرمایا تھا''۔ اور انہوں نے یہ کام کر کے دکھایا تھا۔ خلفائے راشدین قیامت تک اس آسمان کے روشن ستارے اور مشعل راہ ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج کل دنیا میں "Umer Law" معیار سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ المائدہ میں فرماتے ہیں:

''بے شک ہم نے تورات نازل کی' جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور اللہ کے انبیاء اسی کے مطابق فیصلے کرتے تھے ان لوگوں کیلئے جو یہودی اور ربانی اور عالم بنے' یہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے۔ تم ان لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہ لو اور جو اللہ کی نازل شدہ کتاب کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی کافر ہیں اور ہم نے اس تورات میں ان پر فرض کر دیا کہ جان کے بدلے جان ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں برابر کا بدلہ ہے' جو اس قصاص کو معاف کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو اللہ نے نازل کیا ہے اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔ اور لازم ہے کہ انجیل والے اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی نافرمان ہیں''۔

کیا ہم نے کبھی سوچا نہیں!

.....محمد عرفان ندیم

میں نے جب سے یہ تصویر اور ویڈیو دیکھی ہے تب سے میں مسلسل سوچ رہا ہوں کہ ان دو یہودی نوجوانوں کو داد دوں جو سات ارب انسانوں کے مستقبل کی پلاننگ کر رہے ہیں یا پچاس کروڑ مسلم نوجوانوں کی حالت زار کا نوحہ لکھوں۔

میں اس تصویر اور ویڈیو کی طرف بعد میں آؤں گا، پہلے آپ یہ حقائق ملاحظہ کریں۔ دنیا کی آبادی اس وقت سات ارب انسانوں تک پہنچ چکی ہے، اس وقت دنیا میں دس بڑے مذاہب موجود ہیں، دنیا کا سب سے بڑا مذہب عیسائیت ہے اور اس وقت دنیا میں 2.5 بلین عیسائی موجود ہیں، دوسرے نمبر پر مذہب اسلام ہے اور اس وقت دنیا میں 1.9 بلین مسلمان ہیں۔ تیسرا بڑا مذہب سیکولرزم ہے اور اس وقت دنیا میں 1.3 بلین سیکولر انسان موجود ہیں۔ چوتھا نمبر ہندومت، پانچواں نمبر بدھ مت، چھٹا اور ساتواں نمبر چین اور افریقہ کے روایتی مذاہب کا ہے، آٹھواں نمبر سکھ مت، نواں نمبر سپیریٹیزم اور دسواں نمبر یہودیت کا ہے۔

آپ امت مسلمہ کی صورتحال ملاحظہ کریں۔اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ ظلم وستم مذہب اسلام کے پیروکاروں پر ہورہا ہے۔اکیسویں صدی کے آغاز سے اب تک دنیا کے مختلف خطوں میں تقریباً پندرہ سے بیس لاکھ مسلمانوں کو شہید کیا جاچکا ہے اور یہ تعداد دنیا کے تمام مذاہب کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔اکیسویں صدی میں دنیا کے تمام مذاہب کے مرنے والے افراد کی تعداد اتنی نہیں جتنی صرف مذہب اسلام کے پیروکاروں کی ہے۔اس وقت بھی دنیا کے سات آٹھ مسلم ممالک مستقل حالت جنگ میں ہیں اور یہ جنگ خود اختیار کردہ نہیں بلکہ یہ عالمی استعمار کی طرف سے ان پر مسلط کی گئی ہے۔کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ایسا کیوں ہے؟ اس وقت دنیا میں صرف مسلمان ہی ظلم وستم کا شکار کیوں ہیں،صرف مسلم ممالک پر ہی جنگیں کیوں مسلط کی جارہی ہیں اور اس سب سے بڑھ کر یہ کہ دنیا کے اٹھاون اسلامی ممالک کے پچاس کروڑ نوجوانوں نے کبھی اپنی حالت پر غور کیا،کیا انہوں نے اس ذلت ورسوائی سے نکلنے کی کوشش کی اور کیا انہوں نے امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کے بارے میں کبھی سوچا؟

آپ کو جان کر حیرت ہوگی کہ دنیا میں اس وقت سب سے کم تعداد یہودی مذہب کے پیروکاروں کی ہے لیکن یہ لوگ ساری دنیا کو لیڈ کررہے ہیں،دنیا کی ساری اکانومی،ساری دنیا کا میڈیا،انٹرٹینمنٹ انڈسٹری اور دنیا کی ساری سیاست یہودیوں کے کنٹرول میں ہے۔میں یہاں آپ کو صرف دو یہودی نوجوانوں کی مثال دینا چاہتا ہوں،میں نے کچھ دن پہلے یوٹیوب پر ایک پروگرام سنا،یہ پروگرام فیس بک کے بانی مارک زکر برگ اور اکیسویں صدی کے نامور مؤرخ یووال نوح ہراری کے درمیان تھا،پروگرام کا موضوع اکیسویں صدی،انسانی دنیا کے مستقبل،گلوبل ازم اور مستقبل میں سات ارب انسانوں کو درپیش مسائل کے بارے میں تھا۔

مارک زکر برگ کسی تعارف کے محتاج نہیں،2004ء میں ہارورڈ یونیورسٹی کے ہاسٹل کے ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر فیس بک کا آئیڈیا پیش کرنے والا یہ یہودی نوجوان آج دنیا کی طاقتور ترین شخصیات میں شامل ہے۔دنیا کے سارے میڈیا ہاؤسز مل کر شاید وہ کچھ نہ کرسکتے ہوں جو اکیلا مارک زکر برگ سوشل میڈیا کے ذریعے کرسکتا ہے۔آپ فیس بک اور سوشل میڈیا کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگاسکتے ہیں کہ اب مین اسٹریم میڈیا بھی اس کے ہاتھوں یرغمال بن چکا ہے،لاکھوں کروڑوں لوگ اپنے اکاؤنٹس اور چینل بنا کر اپنی مرضی کی ویڈیوز اور پیغامات شیئر کررہے ہیں۔جو بات مین اسٹریم میڈیا میں ایک گھنٹے بعد آتی ہے،وہ سوشل میڈیا کے ذریعے پانچ منٹ میں ساری دنیا میں پھیل جاتی ہے۔اس کے علاوہ مین اسٹریم میڈیا کی کچھ اپنی مجبوریاں اور مصلحتیں ہوتی ہیں لیکن سوشل میڈیا ان تمام پابندیوں سے آزاد ہے۔

دنیا بھر میں اس وقت 2.38 بلین لوگ فیس بک استعمال کررہے ہیں،1.56 بلین لوگ روزانہ فیس بک پر لاگ آن ہوتے ہیں،سو میں سے پچھتر فیصد خواتین اور سو میں سے چھیاسٹھ فیصد مرد فیس بک استعمال کرتے ہیں،روزانہ تین سو ملین تصاویر فیس بک پر اپلوڈ کی جاتی ہیں،ہر یوزر تقریباً بیس منٹ روزانہ فیس بک استعمال کرتا ہے،ہر ایک منٹ میں تقریباً پانچ لاکھ دس ہزار کمنٹس پوسٹ کیے جاتے ہیں،دو لاکھ ترانوے ہزار اسٹیٹس اپلوڈ کیے جاتے ہیں اور ایک لاکھ چھتیس ہزار تصاویر اپلوڈ کی جاتی ہیں۔ان اعداد وشمار سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ صرف ایک یہودی نوجوان نے کس طرح دنیا کے کروڑوں اربوں دماغوں کو اپنے ساتھ انگیج کیا ہوا ہے اور دنیا کے کروڑوں اربوں انسان آج مارک زکر برگ کے محتاج ہیں۔

دوسرا نوجوان اکیسویں صدی کا مشہور مؤرخ یووال نوح ہراری ہے۔ہراری اسرائیلی یہودی اور یروشلم کی عبرانی یونیورسٹی میں تاریخ کا پروفیسر ہے۔ہراری کی کتاب سیپینز دنیا کی بیسٹ سیلر کتب میں شامل ہے اور اب تک اس کی لاکھوں کروڑوں کاپیاں فروخت ہوچکی ہیں۔دنیا کی بیسیوں زبانوں میں اس کتاب کا ترجمہ ہوچکا ہے اور اس کتاب کو ریکمنڈ کرنے والوں میں بل گیٹس،بارک اوباما اور مارک زکر برگ جیسی شخصیات شامل ہیں۔ہراری نے اس کتاب میں انسانی آغاز وارتقا،ستر سالہ معلوم انسانی تاریخ،زرعی انقلاب،سائنسی انقلاب اور انسان کے مستقبل کو موضوع بنایا ہے۔اس کتاب نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو متاثر کیا اور انسانی آغاز وارتقا کے بارے میں ازسرنو سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔

میں جب ان دو یہودی نوجوانوں کو دیکھتا ہوں اور دوسری طرف اٹھاون اسلامی ممالک کے پچاس کروڑ مسلم نوجوانوں کی صورتحال پر نظر دوڑاتا ہوں تو میں بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہوں۔کیا اپنا سب کچھ لٹانے کے باوجود بھی ہمیں احساس نہیں ہورہا،کیا ہماری نوجوان نسل جو انڈین موویز،ہم ٹی وی اور گیم آف تھرونز جیسی ڈراما سیریلز پر اپنا وقت ضائع کررہی ہے،اسے احساس ہے کہ اس کے کندھوں پر کتنی بڑی ذمہ داریاں عائد ہورہی ہیں۔یہاں مجھے نبی اکرم ﷺ کی حدیث یاد آرہی ہے،نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا قیامت کے دن آدمی کا پاؤں اس کے رب کے سامنے سے نہیں ہٹے گا جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ نہ لیا جائے گا،اس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کہاں صرف کیا،اس کی جوانی کے بارے میں کہ اسے کہاں کھپایا،اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور اس کے علم کے بارے میں کہ اس پر کہاں تک عمل کیا.....

خدارا اپنی ذمہ داری کا احساس کریں،آپ جس فیلڈ اور جس میدان میں بھی ہیں،اپنے حصے کا کام کرتے رہیں،اپنے حصے کی شمع جلاتے رہیں۔آپ یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹ ہیں تو اپنے متعلقہ مضامین میں مہارت حاصل کرکے اسے امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کا ذریعہ بنائیں۔آپ سماجیات،ابلاغیات یا کسی اور سبجیکٹ کے طالبعلم ہیں تو اس میں کمال حاصل کریں۔آپ دین کے طالب علم ہیں تو دینی علم کو امت کو ایک بنانے کا ذریعہ بنائیں۔آپ کچھ تو کریں اور نہیں تو کم ازکم مارک زکر برگ اور ہراری سے ہی عبرت حاصل کرلیں۔اگر آج ہم نے اپنے حصے کا کام نہ کیا،یونیورسٹیوں،چوکوں چوراہوں،ہالی وڈ،بالی وڈ اور لالی وڈ کی فلموں اور گیم آف تھرونز جیسی ڈراما سیریلز پر اپنا وقت ضائع کرتے رہے تو کل ہم رب کے حضور اپنی عمر اور جوانی کے سوال کا جواب نہیں دے سکیں گے!